

کلام اقبال میں کلمہ طیبہ کا استعمال

محمد ریاض

کلمہ طیبہ 'لا اله الا الله محمد رسول الله، دین اسلام کی اساس ہے۔ لا اله نفی باطل اور ابطال غیر الله ہے۔ الا الله، اثبات حق اور رب واحد کی عبودیت کا اقرار ہے۔ اور محمد رسول الله، رسالت محمدی کے برق حونے کا اعتراف ہے۔ عربی، فارسی اور اردو زبانوں کے کئی مسلمان شعراء کے کلام میں کلمہ طیبہ، خصوصاً اس کا جز اول لا اله الا الله، بار بار استعمال ہوا ہے مگر راقم الحروف کا خیال ہے کہ بہت سے دوسرے امور کی طرح اس معاملے میں بھی علامہ اقبال کا کلام انفرادیت کا حامل ہے۔ ان کے ہان یہ مبارک کلمات، توحید کے مرادف یا نفی و اثبات کی بحث کی علامت بن کر استعمال ہوئے ہیں۔

درس توحید

اقبال نے توحید کے عملی پہلوؤں پر غور کرنے اور اساس اسلام کی حکمتیں سمجھنے پر غیر معمولی زور دیا ہے۔ 'توحید' کا ایک لازمہ، وحدت کائنات اور نظام تخلیق کی حکمتیں پر غور و خوض کرنا ہے۔ قرآن مجید کی کئی آیات میں وحدت کائنات اور احسن الخالقین کی می نظیر تخلیقات پر تفکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ مگر یہ تفکر، تجسس اور تعمق ایمان بالله کے ساتھ ہونا چاہئے وگرنہ 'یضل به کثیراً ویهدی به کثیراً' کے بموجب انسان گمراہی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ توحید کا دوسرا عملی پہلو، مدعیان توحید خصوصاً مسلمانوں کی وحدت فکر و عمل ہے۔ اگر ایک خدا کے ماننے والے اور ذات باری کے بارے میں ایک جیسے اعتقادات رکھنے والے باہم متعدد نہ ہوں، تو اقبال کی نظر میں ان کا دعویٰ توحید نظری ہے اور ایسے لوگ اپنے کے عملی، فوائد کی برکات

سے محروم ہیں۔ ایسے لوگ کسی ایک نصب العین پر متعبد نہیں ہو سکتے
اور ان کا افراق و نفاق ہمیشہ سامان عبرت بنا رہے گا:

ملتی چوں می شود توحید مست قوت و جبروت می آید بلست
اہل حق را حجت و دعوی یکی است
خیمه ہای ما جدا دلها یکی است

وحدث افکار و کردار آفرین تاشوی اندر جہاں صاحب نگین
زنله قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے فقط اک مسئلہ علم کلام

آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہ
وحدث افکار کی بے وحدت کردار ہے خام

”توحید“ کا تیسرا عملی پہلو خدا خوفی اور ماسواہ کو خاطر میں نہ
لانا ہے۔ جو کوئی خدائے واحد کو اپنی جان و مال اور هر فعل کا مختار جانے
وہ دوسروں سے کیوں ڈرے گا؟ اقبال فرماتے ہیں:

ای کہ در زندان غم باشی اسیر
از نبی ، تعلیم لا تعزز، بکیر
قوت ایمان حیات افزاید ورد لا خوف علیهم، باید
چوں کلیمی سوی فرعونی رود قلب او از لا تخف، مکم شود
خوف حق، عنوان ایمان است و بس
خوف غیر از شرک پنهان است و بس

مذکورہ مہ گانہ عملی پہلوؤں کے بہت سے ذیلی فوائد ہیں۔ اسی لئے
اتیال فرد اور ملت دونوں کی خاطر ”توحید“ کی نشوو اشاعت کو ایک ضروری
امر قرار دیتے ہیں۔

قرب جان با آنکه گفت 'آنی قریب،
از حیات جاودان بردن نصیب

فرد از توحید لاهوتی شود ملت از توحید جبروتی شود
هر دو از توحید می گیرد کمال زندگ این را جلال، آن را جمال
زانکه در 'تکبیر'، راز بود تست حفظ و نشر لا اله مقصود تست
می ندانی آیه ام الكتاب؟ انت عادل ترا آمد خطاب
نکته سنجان را صلای عام ده از علوم امی ص پیغام ده
امی ص، پاک از 'هوای، گفتار او شرح ریز 'ما غوی، گفتار او
جلوه در تاریک ایام کن آنچه بر تو کامل آمد، عام کن
تا نه خیزد بانگ حق از عالمی گر سلمانی، نیاسائی دمی
کلمہ طیبہ اور اس کے مختلف حصے کلام اقبال میں متعدد مقامات پر
'توحید' کے مراد استعمال ہوئے ہیں - 'لا اله'، کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

ملت یضا تن و جان لا اله ساز مارا پرده گردان لا اله
لا اله سرمایہ اسرار ما رشته اش شیرازہ افکار ما
نه تغم لا اله تیری زمین شور سے پھوٹا

زمانے بھر میں وسا ہے تری فطرت کی نازائی

گر چہ می آید صدای لا اله آنچہ از دل رفت، کئی ماند بدلب
ای خنایان کہن، وقت است، وقت

لا اله گوئی؟ بگو از روی جان تا ز اندام تو آید بوی جان
این دو حرف لا اله گفتار نیست لا اله جز تیغ بی زنہار نیست
مہر و مه گردد ز سوز لا اله دیده ام این سوز را در کوه و کمہ
لا اله از غیر حق نا آگھی است اندرون درویشی و شاہنشیبی است

شکست دینا، جہاد اکبر میں کامیاب ہونے کے مراد فہرستہ - قرآن مجید میں
ہوی (خواہش نفس) کو الله قرار دیا گیا ہے : افرویت من اتخد الهہ ہوئے
(۲۵: ۲۳) جو کوئی منزل 'لا' سے نہ گزرے، اور مزاحم خیر قوتون کو
شکست نہ دے، وہ 'لا' کی منزل مقصود کو نہ پاسکے گا اور اس کا دعوی
للمہبیت حقیقت پر مبنی نہ ہوگا۔ اقبال مرحلہ اول میں اسی امر کی تلقین فرمائے
ہیں کہ الله نما قوتون سے نبرد آزمائہ ہو جاؤ، اور الله شکنی کر کے الله پرستی
کی طرف رجوع کرو کہ :

گفت رومی : هر بنای کمہنہ کا بادان کنتند

می ندانی اول آن بنیاد را ویران کنتند

اقبال کے ہاں تخریب و تعمیر اور شکست و بنا کی یہ تعلیم جاوید نامہ
اور اس کے بعد کی تصانیف میں زیادہ جلوہ گر ہے۔ بیام مشرق میں وہ نفی
و اثبات کی ہنگامہ آفرینیوں میں شامل ہونے کی خاطر خدائی تعالیٰ سے استمداد
کرتے ہیں :

تیغ 'لا' در پنجہ این کافر دیرینہ ده
باز بنگر در جہاں ہنگامہ 'الا' من

اور زبور عجم میں مخاطبین سے فرمائے ہیں :

کمہنہ را در شکن و باز به تعمیر خرام

هر کہ در ورطہ 'لا' ماند، به الا نرسید

اس توضیح سے ہمارا مقصد اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ کلمہ
طیبہ کی معنی آفرینیوں کی طرف اقبال نے غالباً اپنی پختہ عمر میں زیادہ توجہ
فرمائی ہے -

دعوت مبارزت

'لا اللہ' دعوت مبارزت ہے۔ جو الله سامنے آئے، اس کا صفائیا کر دیا

قلندر جز دو حرف لا الله کچھ بھی نہیں رکھتا
 فقیہ شهر، قارون ہے لغتہائے حجازی کا
 صنم کلہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل
 یہ نکته وہ ہے کہ پوشیدہ لا الله میں ہے
 مرد حر از لا الله روشن ضمیر می نگردد بنڈہ سلطان و میر
 کسی کو بر خودی زد لا الله را ز خاک مردہ رویاند نگہ را
 ملہ از دست، دامان چنیں مرد کہ دیدم در کمندش مہر و مہ را
 اب الا اللہ یا لا الله الا اللہ کے استعمال کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:
 یہاں بھی علامہ نے توحید اور اس کے تقاضے بیان فرمائے ہیں:
 خیمه در میدان الا اللہ زد است در جہاں شاہد علی الناس آمداست
 نقش الا اللہ بر صحرا نوشت سطرا عنوان نجات ما نوشت
 تو عرب ہو یا عجم ہو، ترا لا الله الا
 لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی
 گلا تو گھونٹ دیا، اہل مدرسہ نے ترا
 کہاں سے آئے صدا لا الله الا اللہ؟
 رمز الا اللہ کرا آموختند این چراغ اول کجا افروختند
 اس تمہید کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ اقبال نے کلمہ طیبہ کو نفی و
 اثبات کے بیان کرنے میں کس طرح استعمال کیا ہے؟

نفی باطل اور مخالفت ہوئی

لا الله، نفی کلی اور ابطال مخالف کا مظہر ہے۔ ہر چیز جو راہ خیر میں
 حاصل اور مزاحم ہو، وہ الله کا حکم رکھتی ہے۔ نفس اور هوی، بہت بڑے الله
 ہیں۔ اور اسی لئے تزکیہ نفس کے لئے عامل افراد کی خاطر، نفس و هوی کو

جائے۔ یہ اللہ جا رہو یا استعمارگر، نصب العین کا مخالف ہو یا غرب انسانیت
ہر حال میں قابلِ مزاحمت ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اسی طرح اپنی
دھاک بٹھائی تھی۔ اقبال تاریخ اسلام کے واقعات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

با تو می گوئم ز ایام عرب
تا بدآنی پخته و خام غرب
ریز ریز از ضرب او لات و منات
در جهات آزاد از بند جهات
هر قبای کہنہ چاک از دست او
قیصر و کسری هلاک از دست او
گہ دشت از برق و بارانش بدرد
عالیٰ در آتش او مثل خس
این ہمہ ہنگامہ 'لا، بود و بس
از کف خاکش دو صد ہنگامہ رست

اقبال چونکہ شاعر انقلاب اور مبارزت اور جہاد کے داعی ہیں، ان کی
نظر میں مبارزہ اور مقابلے کے بغیر انسانی شخصیت و خودی نامکمل رہتی ہے۔
اسی لئے وہ نعرہ 'لا، لگانے کا مشورہ دیتے ہیں۔

با عزیزان سرگران بودن چرا؟
شکوه سنج دشمنان بودن چرا؟
راست می گوئم عدو ہم یارتست
ہستی او رونق بازار تست
هر کہ دانای مقامات خودی است
فضل حق داند اگر دشمن قوی است
کشت انسان را عدو باشد سحاب
ممکناتش را برانگیزد ز خواب
پیش غیر اللہ 'لا، لفتن حیات
تازہ از ہنگامہ او کائنات
بنندہ را با خواجہ خواہی درستیز؟
ہر کرا این سوز باشد در جگر
ہولش از ہول قیامت یشتر
'لا، مقام ضربہای بھی به بھی
این غور عد است، نی آواز نی

اقبال افسوس کرتے ہیں کہ مسلمان 'الا،' کے مقصد کی اہمیت سے
غافل ہیں حالانکہ ان کی گفتگو کی تان الا، پر ٹوٹی ہے۔ صحیح صورت حال
یہ ہے کہ 'لا، لاور لا،' کے بغیر، الا، تک کماقہ رسانی نہیں ہو سکتی۔

پہلے غلط عقائد اور باطل خیالات کا ایوان بنہدم کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد نئے قصر کی بنیاد رکھی جاتی ہے:

قوت سلطان و میر از لا الہ
ہیبت مرد فقیر از لا الہ
تا دو تیغ لا و الا داشتیم ماسوا اللہ را نشان نگذاشتیم
در جہاں آغاز کار از حرف 'لا'، ست

این نخستین سنزل مرد خدا ست

وای ما ائی، وای این دیر کهن تیغ لا در کف نہ تو داری نہ من
دل ز غیر اللہ بہ پرداز ای جوان این جہاں کہنہ در باز، ای جوان
تا کجا بی غیرت دین زیستن ای مسلمان مردن است این زیستن

نفی بے اثبات

جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا، 'الا اللہ'، اثبات حق اور اقرار توحید کی علامت ہے۔ اقبال نفی اور اثبات کو مختصر آ'لا، اور الا کی ریزو کے استعمال سے بھی واضح کرتے رہے ہیں۔ فرمائے ہیں کہ فرد ہو یا معاشرہ جس نے لا اور الا کو ایک ساتھ اپنایا۔ اس کا حال روشن ہے نہ مستقبل خوش آئند۔ 'لا و الا'، کے عنوان سے تین شعروں پر مشتمل ایک مختصر قطعہ ہے:

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و برگ و بر پیدا
سفر خاکی شبستان سے نہ کر سکتا اگر دانہ

نهاد زندگی میں ابتداء لا، انتہا الا

پیام موت ہے جب لا ہوا الا سے بیکانہ

وہ ملت روح جس کی 'لا' سے آگے بڑھ نہیں سکتی

یقین جانو ہوا لبریز اس ملت کا پیمانہ

اقبال نے اقوام و ملل کے زوال و اضمحلال پر قرآن مجید میں یہاں فرمودہ۔

اصولوں کی روشنی میں غور کیا تھا۔ جیہی فرمائے ہیں کہ لا بے الا کی طرف
کہنے نہ ہونے والی ملت دنیا میں زیادہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتی۔ اس کا
جاء و جلال اور تزک و احتشام کرتا ہی خیر انگلیز ہو، اس کے مقدار میں
نیست و نابود ہونا لکھا ہوا ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ مظہر ہے کہ انکار و
الحاد کی روش پر مصر اقوام و ملل صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں اور ان کے آثار
و واقعات ابد تک کے لئے عبرت کا سامان ہیں۔ اقبال کا یہ تصور، قرآن مجید کی
تعلیم سے ماخوذ ہے۔ اقبال کو حکیم آلمانی فریڈرک نیشنی (م ۱۹۰۰ء) کی بعض باتیں
پسند تھیں، مگر اس کے انکار و الحاد اور منزل لا میں ہی رہ جانے کا انھیں
انسوس تھا۔ فرمائے ہیں کہ کاش نیشنی کو حضرت شیخ احمد سرہندی
مجدد الف ثانی جیسا کوئی عارف ربائی ہاتھ آتا تو وہ منزل الا کی طرف آسکتا۔

زندگی شرح اشارات خودی است لا و الا از مقامات خودی است
او به لا دریناند و تا الا نرفت از مقام 'عبدہ، یگانہ رفت
کاش بودی در زمان احمدی تاریخی بر سور سرمدی
اقبال روس کے اشتراکی انقلاب کے رفاهی کاموں اور انسانی ہمدردی
کے پہلوؤں کو پسند فرمائے رہے ہیں۔

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمی و فتار

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
الله کرے تجھے کو عطا جدت کردار
جو حرف قل العفو، میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار،

مگر اس قیم کی روش، "لا"، پر اقبال نے کڑی نکتہ چینی کی۔ اس کے

مادی نظریات سے اقبال کو اضطراب تھا۔ مید جمال الدین افغانی کی زبانی وہ اس قوم سے فرمائتے ہیں :

کرده ای کار خداوندان تمام بگذر، از لا، جانب الا، خرام
در گزر از لا، اگر جویندہ ای تارہ اثبات گیری، زنہ ای
ای کہ می خواہی نظام عالی جستہ ای آن را اساس محکمی؟
آفریدی شرع و آئینی دکر اندکی با نور قرآنش نگر
مثنوی پس چہ باید کرد میں آپ اظہار امید فرمائتے ہیں کہ اگر روی
قوم کو کوئی اهم کردار ادا کرنا ہے، تو اسے منزل الا (اقرار خدائے واحد)
کی طرف چلنا ہی ہوگا۔ آخر حضرت ابراهیم علیہ السلام جیسا موحد اعظم بھی
چاند، سورج اور ستاروں کو لا، کہہ کر ہی الاتھ کی طرف متوجہ ہوا تھا:

کر ده ام اندر مقاماتش نگہ لا سلطان، لا کلیسا، لا الله
فکر او در تند باد لا بماند مرکب خود را سوی الا نراند
آیدش روزی کہ از زور جنون خویش را زین تند باد آرد بروں
در مقام لا نیاساید حیات سوی الا می خرامد کائنات
لا و الا ساز و برگ امتنان نفی بی اثبات، مرگ امتنان
در محبت پغتہ کی گردد خلیل تا نگردد لا سوی الا دلیل

دو نظمیں

علامہ مرحوم نے ایک ہی سال (۱۹۳۶ع) میں شائع ہونے والی اپنی دو تصانیف، ضرب کلیم اور پس چہ باید کرد میں ”لا الله الا الله“، کے عنوان سے دو جداگانہ نظمیں لکھیں ہیں۔ ایک نظم، بظاهر میرزا داراب ییگ جویا تبریزی (م ۱۱۱۸ھ) کی ایک حمدیہ نظم کی پیروی میں ہے جس کا ابتدائی شعر یہوں ہے۔

مرا چہ حد ثنا، لا الله الا الله کجا من و تو کجا، لا الله الا الله

اقبال نے اس نظم کے سات اشعار میں توحید کے اپیان افروز اور جرات آموز مطالب یکجا بیان فرمائے ہیں ۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کہہ ہے جہاں، لا الہ الا اللہ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذان، لا الہ الا اللہ

دوسری نظم کے ۳۸ اشعار اول سے آخر تک نفی و اثبات کے بیان پر مشتمل ہیں۔ اس نظم میں اقبال واقعی مردان حال میں سے نظر آتے ہیں اور قوموں کے تقدیر شناس معلوم ہوتے ہیں ۔ ان اشعار کا ایک انتخاب دیکھئے :

نکته ای می گوئم از مردان حال امتنان را لا جلال، الا جمال
لا و الا احتساب کائنات لا و الا، فتح باب کائنات
هر دو تقدیر جہاں کاف و نون حرکت از لا زاید، از الا سکون
تا نہ رمز لا الہ آید بdst بند غیر اللہ را نتوان شکست
ملتی کز سوز او یک دم تپید از گل خود، خویش را باز آفرید
جذبہ او در دل یک زنده مرد می کند صد ره نشین را ره نورد
ای کہ اندر حجرہ ها سازی سخن نعرة لا، پیش نمودی بزن
این کہ می بینی نیزد با دو جو از جلال لا الہ آله شو
هر کہ اندر دست او شمشیر لا، ست
جملہ موجودات را فرماتروا ست

یہ دو نظمنیں بغور مطالعہ کی جائیں، تو اقبال کے بیان کردہ وہ بہت سے حقائق سمجھئے جا سکتے ہیں جو کلمہ طبیہ سے مریبوط ہیں ۔ آخر میں ہم پھر اس امر کا اعادہ کر دیں کہ کلام اقبال میں کلمہ طبیہ کا استعمال طویل و عمیق مطالعے کا مقاضی ہے ۔